B.A, Part-1, URDU (Subsidiary)

Paper- (Poetry)

Topic: Allama Iqbal ki Nazam Nigari

Notes By:

Dr. Masroor Ahmad Haidri,

Department of Urdu,

J.K College, Biraul, Darbhanga.

علامہ اقبال کی نظم نگاری

ڈاکٹر علامہ اقبال 1877ء میں پنجاب کے سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام نور محمد تھا۔ان کا خاندانی تعلق کشمیری پنڈتوں سے تھے۔ان کے بزرگوں نے سترہویں صدی میں اسلام قبول کیا تھا اور کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب چلے آئے اور سیالکوٹ میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔اقبال نے اسکاچ مشن کالج، سیالکوٹ سے ایف-اے کا امتحان پاس کیا اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے بی-اے کیا۔یہیں سے فلسفہ میں ایم-اے کیا۔گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر ٹامس آرنلڈ سے ان کی ملاقات ہوئی اور باضابطہ وہ ان 1899 کے شاگرد بھی ہوئے۔اقبال اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے استاد رہے۔1905ء میں اقبال انگلستان گئے اور بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔میونخ یونیورسٹی سے ایرانی فلسفہ پر پی-ایچ-ڈی کی سند لی۔انہوں نے میٹافزکس اور پرشیا پر کام کیا تھا۔اقبال انگلستان سے واپس آئے اور وکالت شروع کی پھر گورنمنٹ کالج میں فلسفہ کے استاد ہو گئے۔اسی دوران 1908 اقبال سیاست سے بھی دلچسپی لیتے رہے۔1931ء میں دوسری گول میز کانفرنس ہوئی تو اقبال نے اس میں شرکت کی۔1928ء میں اقبال نے مدراس کا سفر کیا جہاں انہوں نے علم و فکر سے پر خطبات دیئے تھے۔1933ء میں نادر شاہ نے انہیں افغانستان آنے کی دعوت دی تھی اور وہ افغانستان گئے تھے۔حکومت ہند نے انہیں "سر" کے خطاب سے بھی نوازا تھا،اس کے علاوہ بھی انہیں مزید خطابات ملتے رہے۔جیسے شاعر مشرق، حکیم الامت، ترجمان حقیقت وغیرہ۔21/اپریل 1938ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔لاہور کی بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کی جانب ایک گوشے میں وہ دفن ہوئے۔

علامہ اقبال کی غزل گوئی کی طرح ان کی نظم نگاری بھی کئی ادوار میں منقسم ہے۔ہم سبھی جانتے ہیں کہ "بانگ درا" اقبال کی شاعری کا پہلا مرحلہ ہے۔اقبال کی شاعری کو بالعموم چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ان کی نظم نگاری کو بھی انہیں چار ادوار پر محمول کیا جاتا ہے۔"بانگ درا" اقبال کی شاعری کا پہلا دور ہے۔ان کی پہلی نظم جو ہماری توجہ کو اپنی جانب مرکوز کرتی ہے، وہ "ہمالہ" ہے۔"بانگ درا" کی اس نظم یا دیگر نظموں پر اظہار کرنے سے قبل یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال نے "بانگ درا" کی نظموں کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ "بانگ درا" کی بیشتر نظمیں میرے طالب علمی کے زمانے کی ہیں۔ان نظموں میں داغ کے پیرایہ بیان اور شاعری کا قدیم رنگ تغزل بہت نمایاں ہے۔اس کے علاوہ اکبر آلہ آبادی اور اسمعیل میرٹھی کی تقلید کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ان کی اس دور کی نظموں میں وطنیت اور ملت کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ان نظموں کے مطالعہ سے ان کی وطن دوستی آشکار ہوتی ہے۔اس کے علاوہ ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جو کامیاب نظمیں کہی جاسکتی ہیں۔نظم "ایک آرزو" اور "جگنو" میں تصویر کشی اور منظر نگاری اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔وطن غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔پورا ملک انگریزوں کے ظلم وستم کا شکار تھا۔ایسے میں اقبال نے درد بھری نظمیں کہیں جن سے وطن کے تئیں ان کے ہمدردانہ جذبے کا پتہ چلتا ہے۔
تصویر درد" میں سامراجیوں کے ظلم وستم کی پوری تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ان کا درج ذیل شعر اس دور کی بے بسی" اور بیکسی کی ترجمانی کرتا ہے۔

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

اس دور کی نظموں میں "ہمالہ"، "ہندوستانی بچوں کا قومی گیت" اور "ترانہ ہندی" وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو ہندوستان سے اقبال کے گہرے لگاؤ کا پتہ دیتی ہیں لیکن "نیا شوالہ" شاعر کے انتہائے کمال کا اعلیٰ نمونہ ہے۔اس کے ہر شعر میں وطن کی آگ بھری ہوئی ہے اور وحدانیت واتحاد کا راز چھپا ہوا ہے اور اس شعر میں ان کی حب الوطنی نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی ہے۔

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

اس دور کی نظموں کی سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت مناظر فطرت کی عکاسی اور حب الوطنی سے سرشاری ہے۔بزم قدرت"، "عقل ودل"، "پرندہ"، "جگنو" میں ان کے فلسفہ خودی کے بہت سے عناصر کے دھندلے نقوش" پائے جاتے ہیں۔
اس دور کی نظموں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی زبان نہایت صاف، سادہ اور رواں ہے۔اقبال کی نظم نگاری کا دوسرا دور 1905ء تا 1908ء پر مشتمل ہے۔جب وہ اپنی تعلیم کی غرض سے ہندوستان سے انگلستان گئے۔اس دور میں انہوں نے بہت کم نظمیں لکھیں بلکہ خود شاعری ہی سے دل برداشتہ ہوگئے۔اس دور کی نظمیں کمیت وکیفیت دونوں میں دور اول کی نظموں کا مقابلہ نہیں

کرسکتیں البتہ اس دور میں ان کا زاویہ وہ نہ رہا بلکہ ایک مخصوص فلسفہ حیات کے داعی بن گئے۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمندوں کا طرز کلام اور ہے

اقبال کی نظم نگاری کا یہ مختصر ترین دور سہی لیکن اقبال کی شاعری اور پیغام کے سلسلے میں سب سے اہم اور انقلابی دور یہی ہے۔ان کے تصور فکر وفن میں جیسی تبدیلیاں اس دور میں رونما ہوئیں، کسی اور دور میں نہیں ہوئیں۔فلسفہ خودی کے ساتھ فلسفہ بے خودی کی جھلک بھی اس دور کی شاعری میں دیکھنے کو ملتی ہے۔اس دور کی نظموں کا زیادہ تر رخ مسلمانوں کی طرف ہے۔اس لئے عبدالسلام ندوی نے اس دور کی شاعری کو اسلامی شاعری کہا ہے۔یورپ سے واپس آنے کے بعد انہوں نے نظمیں کہی ہیں جن پر فارسی کے اثرات نمایاں ہیں کیوں کہ یورپ ہی میں قیام کے دوران اقبال نے فارسی میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا اور ہندوستان واپسی پر ان کے فکر وفن کے تینوں بنیادی مجموعے "اسرار خودی"، "رموز بے خودی" اور "پیام مشرق" یکے بعد دیگرے فارسی زبان میں منظر عام پر آئے۔اس کے بعد "بانگ درا" کی اشاعت عمل میں آئی۔

یہی وجہ ہے کہ اس دور کی نظموں میں فارسیت کا اثر خوب نمایاں ہے۔مختصر یہ کہ اس طویل دور کی شاعری میں خواہ اس کا تعلق فارسی سے ہو یا اردو سے، اقبال کے فکر وفن کے سارے عوامل و اوصاف پوری طرح نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔اس طرح اقبال کی نظم نگاری کے اس دور کی طویل نظموں جیسے "طلوع اسلام" اور "خضر راہ" میں جس قسم کا جوش وخروش ہے، وہ آخری دور کی نظموں میں بہت کم نظر آتا ہے۔

اقبال کی نظم نگاری کا تیسرا دور "بال جبرئیل" کی اشاعت کے بعد شروع ہوتا ہے۔"بال جبرئیل" کی نظموں میں اقبال کے فکر وفن کے تمام تر نقوش سمٹ کر یکجا ہو گئے ہیں۔ان نظموں میں "مسجد قرطبہ"، "ذوق وشوق"، "ساقی نامہ" اور "پیر ومرید" نہ صرف دوسری نظموں کی بہ نسبت طویل ہیں بلکہ فکر وفن کے لحاظ سے بھی یہ اقبال کی بہترین نظمیں ہیں۔دوسری نظموں میں "ہسپانیہ"، "طارق کی دعا"، "لینن خدا کے حضور میں"، "فرشتوں کا گیت" اور "جبرئیل وابلیس" خصوصیت سے قابل ذکر ہیں کہ ان کی معرفت اقبال کے بعض افکار ونظریات نہایت واضح اور دلکش انداز میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔سیاسی موضوع پر بھی اس میں بعض عمدہ نظمیں ہیں جن میں ایک نظم میں اشتراکیت کی تائید نہایت پرزور طریقہ پر کی گئی ہے۔اس کا عنوان "فرمان خدا" ہے اور ایک نظم لینن پر لکھی گئی ہے اور اس میں یورپین تہذیب وتمدن کی تمام باتیں آ گئی ہیں۔آخر بیان خود لینن کی زبان میں کیا گیا ہے اور ان نظموں میں سرمایہ دارانہ نظام پر بھرپور تنقید کی گئی ہے۔اس دور میں اس مجموعے کی سب سے پرجوش نظم "ساقی نامہ" ہے جس کو انہوں نے مثنوی میر حسن کی بحر میں لکھا ہے۔اس نظم میں اقبال کا جوش بیان اپنے انتہائے کمال کو پہنچ گیا ہے۔اس دور کی نظمیں فکر وفن کے اعتبار سے بھی مکمل کہی جاسکتی ہیں۔اس دور کی نظم گوئی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں اقبال کی تمام فکری وفنی

خوبیاں سمٹ کر ایک جگہ چلی آئی ہیں۔ اگر ان کی دیگر نظموں کو نظر انداز کیا جائے تو اس دور کی نظمیں ہی ان کی شاعرانہ عظمت اور فکر و فن کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

اقبال کی نظم گوئی کا چوتھا دور "ضرب کلیم" کی نظموں سے لے کر "ارمغان حجاز)" اردو کی نظموں پر مشتمل ہے۔

ضرب کلیم" تک پہنچتے پہنچتے اقبال کی شاعری پر فلسفہ غالب آ جاتا ہے اور فن کاری، حسن کاری یا شاعری رخصت" ہو جاتی ہے۔ "ضرب کلیم" میں عصر حاضر کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ویسے یہ صورت اقبال کی شاعری میں پہلے ہی سے قائم ہے لیکن اب زیادہ نکھر کر سامنے آ گئی ہے۔ "ضرب کلیم" میں نظموں کی تعداد کثیر ہے، غزلیں تو صرف برائے نام یعنی چار ہی ہیں۔ گویا پوری کتاب نظموں پر ہی مشتمل ہے اور یہ نظمیں فنی اعتبار سے کمزور ہیں۔ ارمغان حجاز" کا دو تہائی سے زیادہ حصہ فارسی قطعات اور بقیہ اردو نظموں پر مشتمل ہے۔ اس دور کی آخری نظموں میں "وہی بلند آہنگی اور جوش بیان پایا جاتا ہے جو "زبور عجم" اور "بال جبرئیل" میں موجود ہے۔ "ارمغان حجاز" کے اس حصے میں نئی نظمیں ہیں اور سب بلند آہنگ، پر جوش، ولولہ خیز اور شاعرانہ ہیں۔ "ابلیس کی مجلس شوری" اقبال کے دور آخر کی بہترین نظم گوئی میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے اور اس نظم میں مکالمے کے پیرائے میں عصر حاضر کے نظام معیشت کا جائزہ لیا گیا۔ اقبال کی نظم گوئی نے ارتقا کے مختلف مدارج طے کئے ہیں اور ان مختلف مدارج کو طے کرنے میں حالات کے زیر اثر تبدیلی بھی آئی ہے۔ نظم گوئی کے میدان میں اقبال نے نئے اور بیش قیمت تجربے کئے۔ "شکوہ جواب شکوہ" مسدس کے پیرائے میں بہترین نظم ہے۔ "ابلیس کی مجلس شوری"، "پیر و مرید" اور جبرئیل و ابلیس" کا شمار بھی اردو کی بہتر نظموں میں ہوتا ہے۔ اقبال کی ان ساری نظموں کے فنی محاسن نے ہی انہیں ایک کامیاب نظم گو بنایا ہے۔ آج بھی ان کی نظموں میں درد، سوز و اثر کی کیفیت ہے اور اس سبب سے ہم انہیں بنیادی طور پر ایک نظم گو شاعر تسلیم کرتے ہیں۔

☆☆☆